نکاح اور اس کے بعض اہم مسائل

شہزاد اقبال شام

دوسرے کئی معاشروں کی طرح اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی (Unit) کنبہ ہے جس کا آغاز میاں بیوی سے ہوتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ ان کی آئندہ نسلوں تک چلا جاتا ہے اور یوں اسلامی معاشرت وجود میں آتی ہے۔ اس معاشرت کو نمو اور حیات مہیا کرنے کی غرض سے شریعت اسلامی نے مرد اور عورت کے تعلقات کو پاکیزہ انداز میں اور خاص اسلوب کے تحت مربوط کر دیا ہے۔ جسے اصطلاحاً" نکاح کہا جاتا ہے۔ نکاح ہی وہ اہم ذریعہ ہے جس کے واسطے سے ایک طرف انسان کی ناگزیر ضروریات پوری ہوتی ہیں تو دوسری طرف ایک منضبط نظام معاشرت وجود میں آتا ہے جس میں اطمینان اور سکون ملتا ہے اور یوں تہذیب کا سفر جاری رہتا ہے۔

نکاح کے مقاصد

انسانی زندگی میں نکاح متعارف کرانے کے چند خاص مقاصد ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے اللہ نے انسان کو ایک مربوط نظام کے تحت زندگی گزارنے کا حکم دیا۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں۔

۱۔ انسانی اخلاق کا تحفظ

اللہ نے یہ کائنات انسان کے لئے پیدا کی ہے جس میں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ یہ انسان ہی ہے جو حکم الہی کے تابع رہ کر دنیا کے نظام کو چلا رہا ہے۔ انسانوں ہی سے مل کر کنبہ' خاندان' قبائل' طبقات اور نسلیں وجود میں آتی ہیں۔ لیکن ابتدا ان تمام کی تشکیل صرف ایک معاشرتی اکائی' کنبہ سے ہوتی ہے جس کا آغاز ایک مرد اور ایک عورت سے ہوتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ پھیل کر ان کی اولاد پر محیط ہو جاتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ دونوں کے تعلقات کو فطری حدود کے اندر رکھا جائے اور فطری حدود کو قائم کرنا' صرف نکاح ہی کے ذریعے ممکن ہو سکتا ہے۔ انسانی زندگی میں سے نکاح نکال دیجئے' حیوانی خواہشات کے سوا کچھ نہ ملے گا باوجودیکہ نسل انسانی کا تسلسل رہتا ہے مگر پھر انسانوں کی بجائے حیوانی گروہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔

نکاح انسان کی فطری ضرورت کو جائز طریقے سے پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے انسانی اخلاق اور تہذیب کی حفاظت اور تعمیر ممکن ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں نکاح کو "احصان" بھی کہا گیا ہے جس کے معنی قلعہ

☆ بیع تولیہ: وہ بیع جو صرف ثمن اول کے ساتھ ہو ☆

تعمیر کرتا ہیں۔ گویا نکاح وہ مضبوط حصار ہے جو مرد اور عورت کے اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں چند محارم کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

اور ان کے سوا جتنی عورتیں ہیں انھیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو۔ نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ (نساء ۴: ۲۴)

عورت اور مرد کے ایک دوسرے سے فطری طور پر متمتع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اولاً اسے اخلاق کے دائرے میں لایا جائے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب قلعہ بندی کر کے کوئی حصار قائم کیا جائے۔ اس حصار کو احصان کہتے ہیں۔ ''احصان'' کے بغیر عورت اور مرد کا آزادانہ تعلق غیر فطری ہے۔ یہ انسانی اخلاق ہی کے لئے نہیں تہذیب انسانی کے لئے بھی باعث فساد ہے۔ اور اگر کسی معاشرے میں یہ چلن عام ہو جائے تو اس معاشرے کی بقاء زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی اور نہ ایسے معاشرے میں انسانی زندگی متوازن رہ سکتی ہے۔ اور انسانی زندگی توازن سے دور ہو جائے تو کوئی تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی۔

۲۔ اسلامی معاشرے کا قیام

شریعت اسلامی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسباب بھی مہیا کئے جائیں جو ان مقاصد کو پورا کر سکیں۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ جب اسلامی معاشرہ ایک مثالی نمونہ بن کر دوسری اقوام کے سامنے آئے۔ اور وہ یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ اسلام ہی وہ سچا دین ہے جس میں انسانی تعلقات احسن طریقے سے استوار ہوتے ہیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اسلام کئی ذرائع اختیار کرتا ہے جن میں سے نکاح بھی ایک ذریعہ ہے۔

نکاح کے ذریعے ایک طرف جہاں نسل کی حفاظت ہوتی ہے وہاں انسان اپنی فطری ضرورت' فطری طریقے سے پورا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ اپنی معاشرتی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرتے ہیں' مرد پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں' کچھ حقوق اس کے لئے ثابت ہوتے ہیں' عورت مرد کی قلعہ بندی (احصان) میں آکر اس کے گھر کی محافظ و نگہبان بن جاتی ہے مرد کمانے کے لئے تگ و دو کرتا ہے' اور عورت بعض میدانوں میں اس کی معاونت کرتی ہے۔ اس طرح دونوں اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کر کے یہ سب کچھ آئندہ نسل کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ پہلے انسانی جوڑے کے وقت سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں صالح عنصر کو فروغ ملتا ہے اور فساد کا امکان نہیں رہتا۔ اسلامی ریاست' انسانی تہذیب کے ارتقاء کے لئے اپنے دوسرے وظائف ادا کرتی ہے۔ وہ بجائے معمولی معمولی مسائل' جن کا تعلق امن و امان اور عائلی زندگی سے ہوتا ہے' دوسرے ملکی اور بین الاقوامی معاملات کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ غور کیا جائے تو یہ نکاح کے ذریعے یقینی ہوتا ہے ورنہ دوسری صورت میں صالح معاشرہ کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔

☆ بیع مساومہ: خرید کردہ قیمت کا اعتبار کیے بغیر کسی شے کو فروخت کرنا ☆

۴۔ زوجین میں محبت و الفت

نکاح کا ایک بڑا مقصد دونوں صنفوں میں محبت و الفت پیدا کرنا بھی ہے۔ یہ مقصد تبھی پورا ہو سکتا ہے جب زوجین ایک دوسرے سے سکون و راحت حاصل کریں۔ بلکہ یہ کتنا زیادہ بہتر ہو گا کہ انسان کی دو اصناف پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے باعث سکون ہوں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (الاعراف ۷:۱۸۹)

وہی اللہ ہے جس نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا۔ اور اس کے لئے خود اسی
کی جنس سے ایک جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سے سکون حاصل کرے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ابلیس اپنے مریدوں کو دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ ہر ایک کچھ نہ کچھ کر کے واپس آکر اپنی کارگزاری ابلیس کو سناتا ہے مگر وہ ان کے کام سے مطمئن نہیں ہوتا۔ لیکن ایک مرید جب آکر یہ خبر سناتا ہے کہ اس نے ایک جگہ میاں بیوی میں فتنہ ڈال دیا ہے تو ابلیس مارے خوشی کے اسے گلے لگا لیتا ہے(۱)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوجین میں فتنے کا وجود تمام شیطانی فتنوں سے بڑھ کر ہے۔ اس ایک فتنے سے دوسرے بے شمار فتنے پھوٹتے ہیں جن سے معاشرے کے دوسرے افراد بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ دو افراد کا معاملہ بڑھتے بڑھتے دو خاندانوں کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اصلاح کی صورت نہ نکلے اور تفریق ہو جائے تو دو فرد ہی جدا نہیں ہوتے' دو خاندان جدا ہو جاتے ہیں۔ اور یوں ایک گھر کا جھگڑا بڑی حد تک معاشرتی نظام تلپٹ کر دیتا ہے۔ اور اگر کسی معاشرے میں ایسا کثرت کے ساتھ ہونے لگے تو اس کا نتیجہ سلطنت کے ضعف کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس کے لئے زوجین میں سے الفت و محبت اٹھ جانا از حد باعث مسرت ہے۔

نکاح کی تعریف

لغت کی رو سے نکاح سے مراد اشیاء کو یکجا کرنا یا ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ ایک شے کے دوسری میں پیوست ہونے' یا جذب ہو جانے پر نکاح کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بارش کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں "تنکح المطر الارض"۔ اسی طرح درخت جب ایک دوسرے میں جھنڈ کی صورت میں پیوست ہو جائیں تو ایسی صورت کو "تناکحت الاشجار" کہا جاتا ہے۔ یعنی درخت ایک دوسرے میں باہم پیوست ہو گئے ہیں۔

اصطلاحی معنی میں نکاح سے مراد مباشرت ہے۔

شرع میں نکاح سے مراد عقد ہے جس کے معنی گانٹھ یا گرہ لگانا ہے۔ چونکہ عورت اور مرد نکاح کے ساتھ ایک بندھن میں باندھ دیئے جاتے ہیں اس لئے نکاح کو عقد سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

نکاح سے قبل منگنی ہوتی ہے۔ یہ گویا نکاح کا دیباچہ یا پیش لفظ ہے۔ اس لئے منگنی کے کچھ ضروری احکام اگلی سطور میں بیان کئے جا رہے ہیں۔

☆ بیع باطل: جو بیع نہ اصل کے اعتبار سے جائز ہو اور نہ ہی وصف کے اعتبار سے ☆

منگنی اور اس کے احکام

عربی میں منگنی کو خطبہ کہتے ہیں۔ کسی مرد کا ایک خاص عورت کے ساتھ شادی کی نیت سے کئے گئے وعدہ کو منگنی کہتے ہیں۔ یہ وہ عہد و پیان ہے جو شادی کا مقدمہ یا دیباچہ ہوتا ہے۔ منگنی شرعاً" جائز بلکہ مستحسن ہے۔

منگنی کے جواز میں شرعی حکمت یہ ہے کہ معاشرے کے باقی افراد یہ جان جائیں کہ فلاں عورت کسی کے ساتھ منسوب ہے' لہٰذا وہاں کسی دوسرے مرد کا شادی کی نیت سے پیغام بھیجنا درست نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک منگنی مباح ہے(۴)۔

منگنی کے باقاعدہ انعقاد سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

> اذاخطب احدکم امراۃ فان استطاع ان ینظر منہا ما یدعوہ الی نکاحہا فلیفعل(۵)
>
> جب تم میں سے کوئی منگنی کرے تو اگر اس سے ہو سکے تو اس عورت کو دیکھ لے (تاکہ اسے پتہ چل جائے) کہ کون سی چیز اسے نکاح کے لئے رغبت دلانے والی ہے۔

حدیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو دیکھنا صرف مرد کی استطاعت پر منحصر ہے۔ وہی عورت کو دیکھنے کے لئے ممکنہ جائز ذرائع پیدا کرے' اسی کے ذمہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کرے کہ بغیر کسی ناخوشگوار صورت حال کے معاشرتی آداب و اطوار کے اندر رہتے ہوئے عورت کو دیکھنے میں کامیاب ہو۔ رہے وہ حالات جو ہم اپنے ماحول میں آئے دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ لڑکا لڑکی کو دیکھنے کا باقاعدہ مطالبہ کرتا ہے۔ لڑکی کو بنا سنوار کر کسی تقریب میں دونوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ بعض خاندانوں میں شادی سے قبل دونوں کو آزادانہ اختلاط کے مواقع دانستہ مہیا کئے جاتے ہیں' تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں یہ سب شریعت کے پیش نظر نہیں ہیں۔ شریعت اسلامی کے نزدیک صالح اور پاکیزہ زندگی کے لئے شادی ایک اہم عنصر ضرور ہے' مقصد حیات نہیں ہے۔ اور نہ شریعت اسلامی انسان کا ایسا مزاج تعمیر کرتی ہے کہ وہ عورت میں اکملیت (Idealism) کا عنصر تلاش کرتا پھرے۔ یہ رویہ ان معاشروں میں دیکھنے کو ملتا ہے جن کے نزدیک ہر کام بس اسی دنیا میں کرنا ہے۔ مسلم معاشرے میں نکاح یقیناً زندگی کے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے لیکن یہی ایک اہم ترین کام نہیں ہے بلکہ اسلام کے پیش نظریہ اہم ترین کام کئی دوسرے اہم ترین کاموں کا پیش خیمہ ہے۔

نکاح کرنا نسل انسانی کی بقاء کے لئے انسان پر لازم ہے۔ لیکن اس کا لزوم ہر فرد کے اپنے حالات پر منحصر ہے۔ اسلام نے معاشرہ پر بحیثیت کل تو نکاح فرض قرار دیا کہ معاشرہ اپنے افراد کے لئے وہ ذرائع فراہم کرے جو اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہیں لیکن ہر فرد پر شادی کا حکم ایک جیسا نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے کی تمام کوششوں کے باوجود معاشرتی اونچ نیچ قائم رہتی ہے۔ جس کا دور کرنا اسلامی ریاست کے ذمہ تو ہے' بس میں نہیں

☆احتکار: لوگوں کی ضرورت کے وقت گرانی کی نیت سے غلہ کو روکنا احتکار کہلاتا ہے☆

ہے۔ اسی معاشرتی اونچ نیچ کے پیش نظر فقہاء نے شادی کرنا ہر فرد کے لئے ایک جیسا نہیں رکھا بلکہ اس کو بھی فقہاء نے حکم تکلیفی کے اعتبار سے درجات میں تقسیم کر رکھا ہے۔ کسی شخص کے لئے شادی کرنے یا نہ کرنے کے لئے پانچ قسم کے حالات ہو سکتے ہیں۔ یہی حالات شریعت کے پیش نظر ہیں جن کو مراتب کہا جا سکتا ہے۔ جو یہ ہیں۔ حکم تکلیفی کی بحث کے لئے پانچواں باب ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

نکاح کے مراتب

مراتب مرتبہ کی جمع ہے۔ مرتبہ سے مراد درجہ ہے۔ فقہاء کے خیال میں نکاح کے پانچ مراتب ہیں۔ فقہاء نے مختلف النوع فقہی احکام کی تطبیق کے لئے یہ پانچ مراتب وضع کئے ہیں جن کے فہم کے لئے گہری بصیرت اور فقیہانہ درک درکار ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن و سنت میں نکاح کی ترغیب ہر کسی کو دی گئی ہے۔ سورہ النور میں نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَاءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا' اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔ (نور' ۲۴: ۳۲)

کئی احادیث میں بھی نکاح کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ نسائی کی ایک حدیث میں تو تجرد کی زندگی سے منع کیا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن التبتل(۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد رہنے سے منع فرمایا ہے۔

فقہاء کے مرتب کردہ پانچ مراتب نکاح یہ ہیں۔

۱۔ فرض

کسی شخص کے پاس وہ تمام وسائل موجود ہوں جو عام طور پر کسی خاص معاشرے میں عائلی زندگی کے لئے ضروری ہیں' جیسے برسر روزگار ہونا' صحت مند ہونا' رہنے کے لئے گھر ہونا اور ضروری وسائل کے ہوتے ہوئے اس شخص کو "یقین" ہو کہ اس نے نکاح نہ کیا تو اس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے گا۔ تو ایسی حالت میں شادی کرنا اس پر فرض ہے۔ نہ کرنے کی صورت میں وہ گناہ گار ہو گا۔

۲۔ واجب

مذکورہ بالا حالت میں جب اس فرد کو یقین کے بجائے "خدشہ یا گمان" ہو کہ اس سے گناہ کبیرہ سرزد ہونے کا احتمال ہے تو اس صورت میں شادی کرنا اس شخص کے لئے واجب ہے۔ فرض اور واجب کی یہ تقسیم فقہائے احناف کے نزدیک ہے' ورنہ اصول فقہ میں واجب سے مراد فرض ہی ہوتا ہے۔

☆اجارہ: کسی چیز کے معین معلوم منافع کو معین معلوم قیمت پر فروخت کرنا اجارہ ہے☆

۳۔ حرام

مندرجہ ذیل دو صورتوں میں نکاح کرنا حرام ہوتا ہے۔

اولاً: ازدواجی زندگی گزارنے کے ضروری لوازم موجود نہ ہوں' جیسے گھر' روزگار' صحت وغیرہ اس کام کے لئے از حد ضروری ہیں۔

ثانیاً: جب کسی فرد کو "یقین" ہو کہ شادی کرنے کے بعد وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے گا' تو ایسی صورت میں نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کی رغبت کسی خاص عورت میں ہے۔ لیکن وہ اس عورت سے شادی نہیں کر سکتا اور کسی دوسری عورت سے شادی ہونے کے نتیجے میں پہلی عورت میں اس کی رغبت باقی رہتی ہے اور اسے "یقین" ہے کہ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا تو اس صورت میں دوسری عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔

۴۔ مکروہ

جب کسی شخص کو "گمان" ہو کہ وہ شادی کے بعد بیوی سے عدل کی بجائے ظلم کرے گا یا اسے "گمان" ہو کہ وہ شادی کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا تو اس حالت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

۵۔ سنت

جب ازدواجی زندگی کے تمام لوازم پورے ہوں' عقل و بلوغ موجود ہو' آدمی برسرروزگار ہو' رہنے کو گھر موجود ہو اور بیوی کے ساتھ کسی طرح کے ظلم کرنے کا یقین ہو نہ گمان' تو ایسی حالت میں نکاح کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

النکاح من سنتی (۷)

نکاح میری سنت میں سے ہے۔

زوجین میں برابری (الکفاۃ)

یہ ضروری ہے کہ زوجین آپس میں بعض امور میں' جن کا ذکر آگے آرہا ہے' ہر لحاظ سے برابر ہوں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ ایک جیسے ماحول میں رہنے والے افراد آپس میں جلد گھل مل جاتے ہیں۔ ان کے مسائل مشترک ہوتے ہیں' ان کی ضروریات اور مشکلات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اگر ان کے درمیان رہن سہن' بودوباش اور عقیدے کا فرق ہو تو ان میں محبت کی بجائے دوری پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ شوہر کے مشاغل بیوی کی دلچسپیوں سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ بیوی کی ضروریات شوہر کی استطاعت سے بڑھ کر ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس بے ربط جوڑ سے صالح اور پاکیزہ زندگی کی توقع سب کے لئے مشکل ہے۔ اس عدم کفاۃ کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ان کی اولاد بھی متاثر ہوتی ہے۔ اس لئے فقہاء کا کہنا ہے کہ زوجین میں چند امور میں برابری ضروری ہے۔ یہ برابری پانچ طرح کی ہے۔

☆ اقالہ: خرید و فروخت کے معاملہ کو ختم کرنا اقالہ کہلاتا ہے ☆

۱۔ نسب میں

میاں بیوی ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں تو یہ نسب میں برابری کہلاتی ہے۔ اور دونوں ایک جیسے ہم پلہ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہوں تو بھی نسب میں برابری کہلاتی ہے۔ لیکن زوجین میں سے ایک کسی اعلیٰ و ارفع قبیلے میں سے ہو اور دوسرے کا تعلق کسی کمتر خاندان سے ہو تو اس صورت میں زوجین تو شاید ایک دوسرے کو قبول کرلیں مگر دونوں خاندانوں کے باقی افراد کے لئے یہ جوڑ شائد قابل قبول نہ ہو۔ جس کا اثر ان دونوں ہی پر نہیں' دو خاندانوں پر ساری زندگی کے لئے رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ زوجین باہم ہم پلہ ہوں۔

۲۔ دین اور تقویٰ میں

یہ بھی ضروری ہے کہ زوجین ایک ہی عقیدے پر ایمان رکھتے ہوں۔ عقیدے میں یکسانیت سے مراد یہ ہے کہ عقیدے کا فرق ان کے لئے کم از کم روزمرہ زندگی میں وجہ نزاع نہ ہو۔ ہم عقیدہ ہونے سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ فروعی مسائل میں بھی زوجین ہم عقیدہ ہوں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دونوں تقویٰ کے لحاظ سے ایک جیسے ہوں۔ اگر ایک پرہیز گار' دین دار اور متقی ہو اور دوسرا فسق و فجور میں مبتلا ہو تو پرسکون زندگی کا تصور محال ہے۔ ذرا تصور کیجئے اگر بیوی تہجد گزار ہو اور خاوند لہو و لعب میں مست رہنے والا ہو تو گھر کا سکون کیسے ممکن ہو گا۔

۳۔ معاشرتی حیثیت میں

یہ بھی ضروری ہے کہ زوجین معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے بھی ایک جیسے ہوں۔ وہ دونوں اور ان کے خاندان ایک جیسے پیشے سے منسلک ہوں۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک یا اس کا خاندان کسی احساس تفاخر میں مبتلا رہ کر دوسرے کے لئے باعث آزار نہ ہو۔ مثال کے طور پر میاں کسی قصبے میں معمولی دکان دار ہو اور بیوی کسی بڑے شہر میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو تو معاشرتی حیثیت سے یہ برابری نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ازدواجی زندگی میں معاشرتی حیثیت اور پیشوں کی عدم مساوات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ پیشے کا تعلق انسانی وصف سے نہیں بلکہ یہ ایک خارجی کیفیت ہے جو زندگی میں بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے امام صاحب دو مختلف پیشوں سے متعلق زوجین کی ازدواجی زندگی کے لئے یہ شرط عائد نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک پیشے کے تفاوت کے ساتھ بھی پرسکون ازدواجی زندگی ممکن ہے۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ امام صاحب کی یہ رائے ایک خاص معاشرے اور رہن سہن کے افراد کے بارے میں تھی۔ موجودہ طبقاتی معاشرے کے افراد کے لئے پیشوں کی عدم مساوات واقعی کئی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتی ہے۔ اس لئے معاشرتی حیثیت میں زوجین کی برابری ضروری ہے۔

۴۔ مال و دولت میں

کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے زوجین میں مال و دولت کی برابری مستحسن ہے۔ مال و دولت میں برابری سے

☆ بیع من یزید: بولی کی بیع (یعنی جو زیادہ قیمت لگائے گا) اسی کو شے فروخت کی جائے گی ☆

مراد یہ ہے کہ زوجین کم از کم معاشرے کے ایک جیسے طبقوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ درست ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے شادی' مال و دولت میں برابری کے تصور کی نفی کرتی ہے اور معیار مطلوب بھی یہی ہے۔ لیکن یہ صرف نبی اور اس کے متعلقین ہی کے لئے ممکن ہے کہ وہ معاشرتی اونچ نیچ میں سے اپنی راہ نکالیں۔ عام کمزور ایمان والے مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے جیسے خاندانوں میں رشتہ داریاں کریں۔ معاشرتی تجربہ بھی یہی ثابت کرتا ہے۔

۵۔ صحت میں

مالکی اور شافعی علماء کا خیال ہے کہ وہ جسمانی عیوب جیسے برص اور جذام جن سے انسان شدید نفرت کرتا ہے' کسی میں نہیں ہونا چاہیے۔ بعض مالکی فقہاء اس میں جنون بھی شامل کرتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک عاقل اور مجنون کا آپس میں نکاح درست نہیں ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہی کہنا ہے کہ ان کے نکاح میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ زوجین جسمانی اعتبار سے ایک دوسرے کے لئے قابل قبول ہوں۔ صحت میں مساوات کا اصول یہ ہے کہ کسی بھی عارضہ کے باعث زوجین میں سے دلی دوری پیدا نہ ہو بلکہ وہ تمام خصائص جو ایک دوسرے میں رغبت کے لئے ضروری ہیں زوجین میں موجود ہوں۔

نکاح کے ارکان

نکاح کے ارکان کے بارے میں مختلف مکاتب فکر کے فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل یوں ہے۔

احناف کے نزدیک

احناف کے خیال میں دوسرے معاملات کی طرح نکاح کا بھی ایک ہی رکن ہے' جسے "صیغہ" کہتے ہیں۔ صیغہ سے مراد ایجاب و قبول ہے۔ ایجاب اس لفظ یا جملے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو لڑکی کے ولی یا اس کے قائم مقام کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔ جیسے "میں نے اپنی بیٹی فاطمہ بعوض مہر ایک لاکھ روپے زید کے نکاح میں دی"۔ یہ سارا جملہ ایجاب (Offer) کہلاتا ہے۔ ایجاب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ فعل ماضی ہو۔ جیسے مندرجہ بالا جملے میں لفظ "دی" فعل ماضی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے یہ ایجاب درست ہے۔

صیغہ کا دوسرا حصہ قبول (Acceptance) کہلاتا ہے۔ یہ وہ جملہ یا لفظ ہوتا ہے جو مرد یا اس کے قائم مقام کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔ مثلاً مرد کہے کہ "میں نے فلاں کی لڑکی فلاں بعوض ایک لاکھ روپے مہر قبول کی"۔ یہ سارا جملہ قبول کہلاتا ہے۔ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں واقع ہوں۔ اگر قبول سے قبل مجلس برخاست ہو جائے اور پھر قبول واقع ہو تو ایجاب خود بخود باطل ہو جائے گا۔ قبول بھی ماضی میں ہونا لازمی ہے۔

☆ بیع بالقاء الحجر: بائع یا مشتری کہے اگر میں نے مبیع پر پتھر پھینک دیا تو ہم میں (ہمارے درمیان) بیع ہوگی۔

مالکیوں کے نزدیک

ئکی مکتب فکر کے علماء کے نزدیک نکاح کے ارکان پانچ ہیں۔

(۱) صیغہ : جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا کہ صیغہ سے مراد ایجاب اور قبول ہے۔ اس کی شرائط بھی وہی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۲) ولی ' (عورت کی طرف سے) : یہ وہ شخص ہے جو عورت کی طرف سے مجلس نکاح میں ایجاب کا فریضہ انجام دے ' مثلاً باپ یا کوئی اور محرم وغیرہ۔ ان فقہاء کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی دلیل ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ ہے "جو بھی عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کرے اس کا نکاح باطل ہے ' باطل ہے"(۸)۔

(۳) مہر: مہر بھی نکاح کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن مہر کا ذکر نکاح کے وقت ضروری نہیں۔

(۴) مرد: وہ شخص جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو۔

(۵) عورت : وہ عورت جس کا نکاح مرد کے ساتھ ہو رہا ہو۔ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام شرعی رکاوٹوں جیسے عدت ' حمل ' وغیرہ سے خالی ہو۔

شافعیوں کے نزدیک

شافعی علماء کے نزدیک بھی نکاح کے ارکان پانچ ہیں۔ لیکن مالکی علماء کے تصور سے ذرا مختلف ہیں۔ یہ ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صیغہ ' ۲۔ مرد ' ۳۔ عورت ' ۴۔ ولی ' ۵۔ دو گواہ

شافعی علماء نکاح کے وقت دو گواہوں کی موجودگی کو نکاح کے لئے رکن قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل حضور اکرمؐ کی یہ حدیث ہے۔

لایجوز نکاح بغیر شاهدین

دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے۔

مہر کے احکام

مہر سے مراد وہ مال یا (Consideration) ہے جو مرد ' نکاح کے بعد عورت کو ادا کرتا ہے۔ مہر نکاح کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ یہ احناف کی رائے ہے۔

مہر نہ دینا قرآنی آیات کے منافی ہے۔ اس کا وجوب قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً

اور عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو (نساء ' ۴: ۴)

☆ توکیل: جس تصرف کا خود مالک ہے غیر کو اس تصرف میں اپنے قائم مقام کر دینا ☆

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء ۲۵)

لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرلو اور معروف طریقے سے ان کے مہر ادا کرو۔

مہر کی اقسام بلحاظ مقدار

بلحاظ مقدار مہر کی تین قسمیں ہیں جن کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ا۔ مہر مسمی

مہر مسمی سے مراد وہ مہر ہے جس پر دونوں فریق متفق ہو جائیں۔ نقدی ہو تو مقامی سکہ میں ہو۔ اور اگر زیور یا جائیداد ہو تو اس کی تخصیص (Specification) لازمی ہے۔ نکاح کے وقت یا بعد میں مہر ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

۲۔ مہر ادنیٰ

اس قسم میں مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ مرد مالدار ہو تو بے شک ڈھیروں مال دے۔ لیکن کم سے کم حد کے بارے میں ہمیں کئی احادیث ملتی ہیں۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ شادی کرلے اگرچہ لوہے کی انگوٹھی کے بدلے ہی کیوں نہ ہو(۹)۔ مسلم کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ ہوا کرتا تھا(۱۰)۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے زمانے میں مہر کی مقدار دس اوقیہ تھی(۱۱)۔ موجودہ زمانے میں دس اوقیہ کی قیمت آسانی سے نکالی جاسکتی ہے۔

۳۔ مہر مثل

مہر مثل وہ مقدار ہے جو عورت کے خاندان میں دوسری خواتین کے لئے عام طور پر مقرر ہوتی رہی ہو۔ اس کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب شادی کے وقت مہر کے بارے میں کسی وجہ سے کچھ طے نہ کیا گیا ہو۔ یا مہر کے دینے پر تو اتفاق کیا گیا ہو مگر مقدار کا تعین نہ کیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں عورت کے خاندان کے لئے گزشتہ کسی مہر کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔

مہر کی اقسام بلحاظ مدت

مدت کے لحاظ سے مہر کی دو قسمیں ہیں۔

مہر معجل: مہر معجل وہ مہر ہے جس کا عجلت سے ادا کرنا زوجین میں طے ہو۔

مہر موجل: یہ وہ مہر ہے جس کا کچھ مدت کے بعد ادا کرنا طے ہو، جس میں تاجیل ہو، مہلت دی گئی ہو۔

☆ حجر: بچپن یا غلامی یا جنون کی وجہ سے قولی تصرف سے منع کرنا ☆

مہر میں کمی بیشی

میاں بیوی دونوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ طے شدہ مہر میں باہمی رضامندی سے کمی بیشی کریں۔ شوہر مہر کی مقدار زیادہ کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ زیادہ کر دے۔ اسی طرح بیوی چاہے کہ مہر کی مقدار میں کمی کرے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ مکمل معاف کر دے تو بھی اسے اختیار ہے۔ لیکن مرد کی طرف سے اس مقصد کے لئے دباؤ ڈالنا یا ترغیب دینا خود اس کی شان مردانگی کے خلاف ہے۔ جو اللہ کو ناپسند ہے۔ عورت خود معاف کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا (النساء ۴:۴)

البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دے تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

موکدات مہر

موکدات مہر سے مراد وہ حالتیں ہیں جن سے گزر کر مہر عورت کا حق بن جاتا ہے۔ یہ حالتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پہلی حالت یہ ہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی مکمل مباشرت کریں تو مرد پر واجب ہے کہ وہ مہر کی مکمل مقدار عورت کو ادا کرے۔

۲۔ دوسری حالت یہ ہے کہ نکاح کے بعد زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے۔ اس صورت میں ضروری نہیں ہے کہ موت سے قبل اس نے مباشرت کی ہو، مہر بہرحال عورت کا حق بن جاتا ہے اور عورت کو مرد کے ترکے سے اس کا حصہ بھی ملتا ہے۔ مہر ادا کئے بغیر ترکے کی تقسیم جائز نہیں ہے۔

۳۔ تیسری حالت صرف امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہے جس میں مہر یقینی ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو "خلوت صحیحہ" کہتے ہیں۔ "خلوت صحیحہ" سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی کسی کی آمد کے خدشے کے بغیر کسی الگ تھلگ مقام پر کچھ وقت گزاریں۔ ایسی حالت میں مباشرت کے بارے میں دوسروں کو کچھ علم نہیں ہوتا۔ البتہ اگر وہ کسی ایسی جگہ وقت گزاریں جہاں دوسروں کی آمدورفت ممکن ہو تو اس حالت کو خلوت صحیحہ نہیں کہا جاتا ہے۔ خلوت صحیحہ کے بعد مہر ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

مہر کا سقوط

مہر کے سقوط سے مراد یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا ہوں جن میں مہر عورت کا حق نہ رہے۔ مندرجہ ذیل حالتوں میں عورت مہر کی حقدار نہیں رہتی:

۱۔ عورت دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔

۲۔ دونوں میاں بیوی مرتد ہو جائیں

☆ خیار شرط: کسی چیز کو خریدتے وقت لینے یا نہ لینے کا اختیار رکھنا ☆

۳۔ میاں بیوی دونوں غیر مسلم ہوں' شوہر اسلام قبول کر لے اور بیوی غیر مسلم ہی رہے تو بیوی کے لئے مہر نہیں رہتا۔

۴۔ نابالغ بچے یا مجنون کا نکاح اس کے ولی نے کیا ہو اور بالغ ہونے یا مجنون صحیح الدماغ ہونے پر نکاح کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دے تو بھی مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

۵۔ نابالغ بچی یا مجنونہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

نصف مہر کا سقوط

شادی کے بعد بغیر مباشرت کے' عورت کو طلاق ہو جائے تو عورت نصف مہر کی حقدار ہوتی ہے۔

اگر مہر نکاح کے وقت مقرر نہیں کیا گیا اور طلاق ہو گئی تو اس صورت میں عورت "متعہ" کی حقدار ہے۔ متعہ سے مراد کچھ کپڑے' عورتوں کے استعمال کی کچھ اشیاء اور بناؤ سنگھار کا سامان ہو سکتا ہے۔ اس کا انحصار علاقے کے مقامی رسم و رواج پر ہے۔

میاں بیوی کی علیحدگی

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ معاشرے کی اکائی خاندان ہے۔ خاندان میں جس قدر یگانگت اور ہم آہنگی ہو گی' اسی قدر معاشرہ مضبوط اور صحت مند ہو گا۔ خاندان میں میاں بیوی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع اور حالات پیدا کئے اور ایسے احکام عطا کئے کہ میاں بیوی میں زیادہ سے زیادہ الفت' محبت اور قربت پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (روم ۳۰:۲۱)

اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

تاہم بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مزاج کے اختلاف' مختلف غلط فہمیوں' ناگزیر حالات' یا کسی ایک فریق کی زیادتی سے میاں بیوی میں علیحدگی کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ نے حالات کے مطابق میاں بیوی میں علیحدگی کے مختلف طریقے تجویز کئے ہیں۔ دراصل حکمت خداوندی یہ ہے کہ میاں بیوی حدوداللہ کے مطابق باہم معروف طریقوں سے رہیں اور اگر ان طریقوں سے نہ رہ سکیں تو معروف طریقوں سے علیحدہ ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (طلاق ۶۵:۲)

ان (بیویوں) کو معروف طریقے سے رکھو یا معروف طریقے سے الگ کر دو۔

شریعت اسلامیہ نے میاں بیوی میں حالات کے مطابق مختلف طریقوں کی اجازت دی ہے۔ ان طریقوں کے تحت کارروائی کے آغاز کے لحاظ سے علیحدگی کی یہ اقسام ہیں۔

۱۔ خاوند کی طرف سے کارروائی کے ذریعے' طلاق

۲۔ بیوی کی طرف سے کارروائی کے ذریعے

(الف) خلع

(ب) نابالغ لڑکی کے نکاح کی صورت میں بالغ ہونے پر' خیار بلوغ

(ج) فسخ نکاح بذریعہ عدالت

۳۔ میاں بیوی دونوں کی طرف سے کارروائی کے ذریعے' مبارءت

ان طریقوں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

طلاق اور اس کے مسائل

زوجین میں اتفاق و یگانگت نہ ہونے پر شریعت اسلامی نے دونوں میں تفریق یا جدائی کا ایک معقول راستہ طلاق وضع کیا ہے۔ تاکہ اس طرح زوجین اپنے لئے تبدیل شدہ حالات کے مطابق نئی راہیں متعین کر سکیں۔

طلاق کی تعریف

طلاق کے لغوی معنی کسی شے کو ترک کرنا یا اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ کسی بندھے ہوئے جانور کی رسی کھول کر اسے رہا کر دینے پر عرب طلاق کا لفظ استعمال کرتے ہیں(۲)۔ اگر بندھی ہوئی اونٹنی کی رسی کھول کر اسے آزاد کر دیا جائے تو اہل زبان اس کیفیت کو "طلق الناقة طلاقا" کہتے ہیں۔ یعنی اونٹنی کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ امام سرخسی نے طلاق کے لئے "ازالۃ القید" (قید سے رہائی) کے الفاظ استعمال کئے ہیں(۳)۔

مختلف فقہی مذاہب کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے طلاق کی جامع شرعی تعریف کی جائے جو جدید قانونی زبان سے بھی ہم آہنگ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ "شوہر کی جانب سے اصالتاً" نیابتاً" تفویضاً" مخصوص الفاظ کے ساتھ یا بالکنایہ' فی الفور یا بالنتیجہ' رشتہ ازدواج ختم کرنے کا نام طلاق ہے(۴)۔

جب زوجین کے درمیان الفت و یگانگت باقی نہ رہے اور طلاق کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو شریعت کا بتایا ہوا طلاق کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جدائی بہتر ہے۔ لیکن زوجین کے درمیان تفریق اور جدائی اللہ کے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ابغض الحلال الی اللہ تعالی الطلاق (۵)

حلال (اشیاء) میں سے طلاق اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین شے ہے۔

طلاق کی تعداد

ایک عاقل' بالغ' شادی شدہ شخص کو اپنی ایک بیوی پر ایک نکاح میں تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار ہے۔ جن

میں سے دو طلاقیں دینے تک عدت میں وہ رجوع کرنے کا حق استعمال کرتے ہوئے معمول کی ازدواجی زندگی گزار سکتا ہے۔ اور عدت کے بعد عورت کی مرضی سے نیا نکاح کر کے نکاح میں لے سکتا ہے۔ مگر تیسری طلاق دیتے ہی زوجین آپس میں میاں بیوی نہیں رہتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (بقرہ ۲۲۹)

طلاق دوبار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

طلاق کی اقسام

طلاق کی اہم قسمیں دو ہیں۔ جن کی مزید تقسیم بھی کی گئی ہے۔

ا۔ ساخت کے اعتبار سے

ساخت کے اعتبار سے طلاق کی اقسام سے مراد یہ ہے کہ ہم ان اقسام کو کسی شرعی پیمانے پر پرکھ سکتے ہیں۔ اور جانچ پرکھ کے بعد حکم لگا سکتے ہیں کہ کیا یہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے یا اس سے ہٹ کر ہے۔ اس طلاق کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ طلاق سنی

سنی کا مصدر لفظ سنت ہی ہے۔ یہ وہ طریق طلاق ہے جس کے دینے کا طریقہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں۔

(ا) طلاق احسن

عورت کو طلاق دینے کا صحیح ترین طریقہ طلاق احسن کہلاتا ہے۔ احسن طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ جب عورت کی حالت حیض ختم ہو چکی ہو اور اس کے بعد مرد نے عورت سے مباشرت بھی نہ کی ہو' ایک طلاق رجعی (وہ طلاق جو دے کر رجوع کرنے کا حق باقی رہے) دی جائے۔ اور یوں عورت کی عدت ختم ہو جائے' اگر حاملہ ہے تو وضع حمل ہو جائے۔ اس طلاق کا فائدہ یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد اسی عورت سے وہی مرد بغیر کسی رکاوٹ کے زندگی کے کسی بھی حصے میں دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

(ب) طلاق حسن

طلاق دینے کا یہ طریقہ بھی سنت کے مطابق ہے مگر اس کا درجہ قدرے کم ہے۔ طلاق حسن یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے حالت حیض سے پاک ہونے کے بعد مباشرت نہ کرے بلکہ طلاق دے دے۔ پھر اگلے حیض سے فارغ ہونے پر دوسری طلاق دے اور اسی طرح تیسری

☆ بیع ملامسہ۔ بائع یا مشتری کہے کہ اگر میں نے تجھے یا تیرے کپڑے کو چھو لیا تو ہمارے درمیان بیع ہو گی ☆

طلاق دے۔ اس طریقے میں دوبارہ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ مرد نے تین مرتبہ طلاق دے دی ہوتی ہے۔ جس کے بعد معمول کے حالات میں دوبارہ اسی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

ب۔ طلاق بدعی

طلاق میاں بیوی کے درمیان عملی جدائی کا نام ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا طریقہ بتایا ہے اسی طرح طلاق دینے کا مناسب راستہ بھی تجویز فرمایا ہے۔ نکاح و طلاق میں البتہ ایک فرق ہے کہ نکاح دونوں فریقوں کی رضامندی ہی سے ممکن ہے جبکہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے اور یہ اختیار اسے بہرحال حاصل ہے۔ چاہے تو سنت طریقے پر اسے استعمال کرے اور چاہے تو غیر مسنون راستہ اختیار کرے۔ غیر مسنون طریقے کو طلاق بدعی کہتے ہیں۔ اس طریقے کو اختیار کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے، طلاق البتہ واقع ہو جاتی ہے۔ طلاق بدعی بھی دو طرح کی ہیں۔

(ا) وقت کے لحاظ سے

پہلی قسم کی طلاق بدعی وہ ہے جو نامناسب وقت میں دی جائے۔ نامناسب وقت عورت کا عرصہ حیض ہے۔ اس حالت میں دی گئی طلاق کے بارے میں ہمیں ایک حدیث بھی ملتی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اسے روکے رکھے حتیٰ کہ وہ پاک ہو۔ پھر حیض آئے، پھر پاک ہو، پھر چاہے تو طلاق دے، چاہے تو روک لے(۲۴)۔

(ب) تعداد کے لحاظ سے

دوسری قسم کی طلاق بدعی وہ ہے جس میں شوہر ایک مجلس میں یا ایک جملہ میں تین طلاقیں دے کر ازدواجی زندگی کا خاتمہ کر لے۔ چاہے وہ "تجھے تین طلاقیں ہیں" یا "تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے" کے الفاظ استعمال کرے۔

۲۔ موثر ہونے کے اعتبار سے

تاثیر کے اعتبار سے طلاق کی تین اقسام ہیں جن میں سے ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ یہ تین اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ طلاق رجعی، جس میں رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

ب۔ طلاق بائن صغریٰ

ج۔ طلاق بائن کبریٰ

ان تینوں طرح کی طلاق کی ہلکی سی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ طلاق رجعی

طلاق رجعی سے مراد یہ ہے کہ طلاق کے بعد مرد کو پہلے کی سی ازدواجی زندگی کی طرف لوٹنے یعنی رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک یا دو طلاقیں دینے تک مرد عدت کے دوران میں اور تیسری طلاق سے قبل بغیر تجدید نکاح کے اپنی ازدواجی زندگی بحال کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے طلاق کے لفظ کے ساتھ "بائن" استعمال کر دیا تو رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ رجوع کے عمل میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

ب۔ طلاق بائن صغریٰ

جب رجعی طلاق کی مدت ختم ہو جائے تو میاں کو ازدواجی زندگی کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا اور طلاق رجعی بائن صغریٰ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں میاں بیوی باہمی رضامندی سے نیا نکاح کر سکتے ہیں۔

اگر طلاق دیتے وقت مرد طلاق کے ساتھ لفظ بائن استعمال کرے تو ایک یا دو طلاقوں تک یہ طلاق، بائن صغریٰ ہی شمار ہوتی ہے۔ اس طلاق (طلاق بائن صغریٰ) میں عدت کے دوران میں یا مدت عدت کے ختم ہو جانے کے بعد بھی عورت و مرد باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ البتہ تیسری طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کا حق معمول کے حالات میں ختم ہو جاتا ہے۔

ج۔ طلاق بائن کبریٰ

اس طلاق کو طلاق مغلظہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یوں ہے کہ مرد ایک ہی دفعہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے۔ اس طلاق کے بعد مرد کے لئے نہ تو رجوع کا حق باقی رہتا ہے، اور نہ اس بیوی سے دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے۔ جب تک وہ بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ مرد بھی مباشرت کے بعد عورت کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔

طلاق کے الفاظ

صریح الفاظ: اسلامی قانون میں طلاق کے لئے استعمال کئے گئے الفاظ بہت اہم ہیں۔ بعض الفاظ صراحتاً طلاق پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے "میں نے طلاق دی" یا "اب تو مطلقہ ہو گئی" ان الفاظ کے بعد طلاق ہونے میں کسی شے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح دوسری زبانوں میں وہ صریح الفاظ، جو صرف لفظ طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہوں، ادا کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور طلاق دینے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری نیت کچھ اور تھی۔

کنایے کے الفاظ: دوسرے الفاظ وہ ہیں جنہیں کنایے کے الفاظ کہتے ہیں۔ یہ الفاظ واضح طور پر طلاق دینے کے لئے تو استعمال نہیں ہوتے، مگر ان سے طلاق کے معنی و مراد لی جا سکتی ہے، جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ

☆ بیع مزابنہ: کٹے ہوئے پھل کو درخت پر لگے ہوئے پھل کے بدلے اندازاً فروخت کرنا ☆

"تو فارغ ہے" ایسی حالت میں کہنے والے کی نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر کہنے والا کہہ دے کہ اس سے میری مراد طلاق تھی تو طلاق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اس جملے کی تشریح کچھ اور کرتا ہے تو وہ بھی مان لی جائے گی۔

طلاق سے رجوع کرنے کا طریقہ

جب شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے' چاہے ایک ایک کر کے مقررہ مدت کے اندر دے' چاہے ایک ہی وقت میں دے تو شوہر کے لئے واپسی کا راستہ باقی نہیں رہتا۔ اگر مقررہ مدت میں ایک ایک کر کے تین طلاق دے تو مکمل تفریق طے پا جاتی ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تفریق ہو جاتی ہے؟ یا تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی ہے؟ اس کے تفصیلی احکام جاننے کے لئے اس باب کے آخر میں دی گئی فہرست کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

تین طلاقیں دینے سے قبل تک مرد عدت کے اندر اندر واپسی اختیار کر سکتا ہے۔ مگر عدت ختم ہونے پر مرد کا یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔ رجوع کرنے کا حق مرد کو حاصل ہے۔ وہ زبان سے رجوع کرنے کا اعلان کرے تو رجوع قرار پائے گا۔ مستحسن یہی ہے کہ رجوع کرتے وقت دو گواہ موجود ہوں۔ رجوع کرتے وقت معاوضہ یا نئے سرے سے حق مہر دینا ضروری نہیں ہے اور نہ اس کے لئے عورت کی رضامندی ضروری ہے۔

حنفی فقہاء کا کہنا ہے کہ عدت کے اندر اندر مباشرت کر لینے سے خودبخود رجوع ثابت ہو جاتا ہے۔ اور زبانی اقرار ضروری نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان نکاح کا انقطاع مکمل طور پر نہیں ہوا اور مرد کے رجوع کا حق سنت سے ثابت ہے۔ رسول اللہ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی اور رجوع کے لئے یہی طریقہ اختیار فرمایا(۱۷)۔

اس کے برعکس امام شافعی کا کہنا ہے کہ رجوع کرنے کے لئے زبانی اقرار ضروری ہے جو دو گواہوں کے سامنے ہو۔ وہ مباشرت کے ذریعے رجوع کو جائز نہیں سمجھتے۔

تین طلاق ہو جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ پھر زوجین ایک دوسرے کے لئے نامحرم بن جاتے ہیں۔ اب ان کے درمیان نکاح کی تجدید بھی نہیں ہو سکتی بلکہ وہ نئے سرے سے ازدواجی زندگی صرف اسی صورت میں گزار سکتے ہیں کہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرے جو مباشرت کے بعد عورت کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تبھی عورت پہلے مرد سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ شریعت اسلامی میں ان دونوں کے دوبارہ ملاپ کا کوئی راستہ نہیں۔

خلع اور اس کے مسائل

زوجین میں تفریق کا ایک طریقہ خلع ہے جس طرح مرد یہ سمجھے کہ بیوی کے ساتھ اس کا نباہ مشکل ہے تو وہ طلاق دینے کا حق رکھتا ہے' اسی طرح اگر عورت یہ سمجھے کہ مرد کے ساتھ زندگی گزارنا از حد دشوار ہو گیا ہے تو

☆ بیع سوم علی سوم وغیرہ: دوسرے شخص کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا۔ (یہ ناجائز ہے) ☆☆

اسے حق حاصل ہے کہ وہ خلع حاصل کر لے۔ لیکن طلاق اور خلع میں صرف اسی قدر فرق نہیں ہے کہ ایک مرد کا حق ہے اور دوسرا عورت کا' بلکہ دونوں میں ایک اساسی فرق یہ بھی ہے کہ مرد کی زبان سے چند مخصوص الفاظ ادا ہوتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن خلع محض عورت کے کہنے یا مطالبہ کرنے سے واقع نہیں ہوتا' بلکہ اس کے لئے الگ سے ایک طریقہ ہے۔

لغت میں خلع کا مفہوم

لغوی اعتبار سے خلع کے معنی کسی شے کو دوسری شے سے نکالنا ہیں۔ نکاح کی تعریف میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ دو اشیاء کے باہم پیوست ہو جانے یا ایک شے کے دوسری میں جذب ہو جانے پر نکاح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ خلع اس کی ضد ہے جو اس مفہوم کے برعکس معانی دیتا ہے۔ یہ لفظ جدائی اور تفریق کا مفہوم ادا کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے(۱۸)۔ خلعت اس پوشاک کو کہتے ہیں جو کوئی شہنشاہ یا اعلیٰ مرتبے کا حامل شخص اپنے جسم سے اتار کر کسی ماتحت یا باجگزار کو عطا کرتا ہے۔ گویا خلعت وہ کپڑا ہے جو کسی نے اپنے بدن سے جدا کیا ہو۔ چونکہ عورت اور مرد میں خلع کے ذریعے جدائی واقع ہوتی ہے اس لئے اس لفظی مماثلت کے باعث اسے خلع کہتے ہیں۔

خلع کی مشروعیت

خلع کا جواز قرآن و سنت دونوں سے ثابت ہے۔

قرآن سے: قرآن میں آتا ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ(بقرہ'۲۲۹:۲)

تمہارے لئے حلال نہیں کہ جو کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لو۔ الا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ایسی صورت میں کہ جب تم کو خوف ہو کہ میاں بیوی' اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو کچھ مضائقہ نہیں' اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر عقد نکاح سے آزاد ہو جائے ۔

اس آیت سے خلع کی دو صورتیں نکلتی ہیں۔ اولاً یہ کہ خود میاں بیوی میں سے کسی کو یہ خوف دامن گیر ہو جائے کہ حدود اللہ پر قائم رہنا مشکل ہے تو وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے اولی الامر' جیسے قاضی حاکم وغیرہ کو میاں بیوی کی طرف سے حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو تو وہ بھی عورت کو کچھ معاوضہ دینے پر عقد نکاح کو کھولنے کا حکم دے سکتا ہے۔

آیت میں خلع کے لئے عورت کی طرف سے مطلق معاوضے کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلع کے تفصیلی احکام سنت نبوی سے ملتے ہیں۔

سنت سے:

صحیح بخاری اور نسائی میں خلع کے بارے میں ثابت بن قیسؓ کا مشہور واقعہ مرقوم ہے۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کی شکل و صورت آپ کی دو بیویوں کو سخت ناپسند تھی۔ رنگ کالا اور قد چھوٹا تھا۔ ان کی ایک بیوی جمیلہؓ بنت ابی بن سلول نے اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ وہ ثابت بن قیسؓ کے نکاح سے آزاد کروا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکایت سننے کے بعد ان سے پوچھا کہ کیا تو وہ باغ جو ثابت بن قیس نے تجھے دیا تھا' واپس کرنے کے لئے تیار ہے؟ تو جواب ملا' ہاں! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تو اس کا باغ واپس کر دے۔ پھر ان کے شوہر کو حکم دیا کہ باغ قبول کرے اور اس کو ایک طلاق دے دے(۴۱)۔

اسی سے ملتا جلتا معاملہ حضرت ثابت کی دوسری بیوی کے بارے میں بھی ہے۔

خلع اور طلاق میں فرق

ان احکام کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ خلع عورت کا حق تو ضرور ہے لیکن اس حق کی نوعیت ایسی نہیں ہے جیسے مرد کے پاس طلاق کی صورت میں ہے۔ بلکہ یہ حق طلاق سے کلیتہً مختلف ہے جس کے احکام بھی طلاق سے مختلف ہیں۔

خلع کا حق عورت کو اس طرح کیوں نہیں ہے جس طرح مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے؟ یہ بات سمجھنے کے لئے نکاح کی بنیاد ذہن میں رکھنا ضروری ہے جس کو احصان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مرد کو "محصن" کہا گیا ہے جو قلعہ تعمیر کرتا ہے۔ عورت کو "محصنہ" کہتے ہیں جو قلعہ تعمیر کرنے والی نہیں بلکہ قلعہ کے حصار میں محفوظ ہونے والی ہے۔ مرد ہی اولاً گھر کی نیو ڈالتا ہے' اسی کے ذمہ عورت کا مہر ہے' وہی عورت کے روٹی' کپڑے' مکان اور دوسری معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے کا روادار ہے۔ بچوں کے اخراجات' ان کی پرورش کا خرچ اسی کے ذمہ ہے۔ وہی گھر کا مالک ہے۔ غرضیکہ ایک خاندانی اکائی کے بارے میں وہی ہر لحاظ سے جواب دہ ہے۔ لہٰذا منطقی طور پر یہ بات خودبخود لازم آتی ہے کہ اس کے حقوق بھی انہی فرائض کی نسبت سے ہوں۔ جب وہ گھر کا مالک ہے' ہر شے اس نے اپنی مرضی اور پسند کے مطابق ترتیب دے رکھی ہے تو اس کی رعایا میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی اور منشا کے برعکس چلے۔ منجملہ دوسری وجوہ کے' طلاق کا حق مرد کو دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

باہمی رضامندی سے خلع

یہی وجہ ہے کہ خلع کا عمل محض عورت کے ارادے' خواہش یا مرضی سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ اس کی کچھ صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عورت کے مطالبے پر مرد فوراً اسے خلع دے دے۔ اس سے کچھ بھی طلب نہ کرے۔ (بقرہ' ۲۲۹)

☆ بیع فاسد: جو بیع اصل کے اعتبار سے جائز ہو لیکن وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو ☆

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے مطالبہ پر مرد اپنے بنائے ہوئے گھر کے اجڑنے کا کچھ معاوضہ (Consideration) طلب کرے اور عورت اس پر راضی ہو جائے۔ یہ معاوضہ عورت کو دیے جانے والے مہر سے زائد نہیں ہوتا۔ (بقرہ' ۲۲۹:۲ اور بخاری و مسلم حوالہ ایضاً")

تیسری صورت یہ ہے کہ مرد' عورت کے مطالبہ پر اپنی رضامندی سے اسے آزاد کردے اگر وہ مہر' جو عورت کو دے چکا ہے' واپس لینے کا مطالبہ کرے اور عورت اس پر راضی ہو تو بھی خلع ممکن ہے۔ (ایضاً")

عدالتی کارروائی کے ذریعے خلع

خلع کی یہ تینوں صورتیں زوجین کی باہمی رضامندی پر منحصر ہیں۔ ان تینوں کے ذریعے سے خلع نہ ہو اور عورت بضد ہو کہ ہر حال میں قید نکاح سے نکل کر رہے گی اور دوسری طرف مرد بھی تفریق پر رضامند نہ ہو تو اس صورت میں عورت کو حق ہے کہ عدالتی کارروائی کے ذریعے سے تفریق (Separation) کا مطالبہ کرے۔

عدالتی کارروائی کی صورت میں قاضی کے ذمہ صرف دو امور ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ اس امر کی تحقیق کرے کہ زوجین میں سے دونوں کی طرف سے یا کسی ایک کی طرف سے حدود اللہ کے پامال ہونے کا اندیشہ تو نہیں؟ دوسرے یہ کہ وہ عورت کا موقف سنے اور عورت کی خواہش معلوم کرے۔ اس سے زیادہ قاضی کے فرائض میں نہیں ہے کہ عورت کے موقف کے برعکس فیصلہ دے۔ ہر دو صورتوں میں سے کوئی ایک بھی ثابت ہو جائے تو قاضی خلع کا حکم جاری کردے گا۔ یہ بات لازمی ہے کہ قاضی خلع کا حکم جاری کرے۔ اگر عورت کی طرف سے خلع کی تمام شرائط پوری ہو رہی ہوں تو قاضی ماسوائے تفریق کے کوئی دوسرا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قاضی خلع کے مقدمات میں ایک خاص طرح کے فیصلے کرنے کا پابند ہے تو پھر مقدمے کی کارروائی کا کیا فائدہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلع کے بارے میں امر قانون (Question of Law) بالکل واضح شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اللہ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بعد اس سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ سوال صرف امر واقعہ (Question of Fact) کا ہے اور یہی قاضی کے ذمہ ہے۔ ممکن ہے کہ عورت کی شکایات ایسی ہوں جو قاضی کے سننے کے بعد دور ہو سکتی ہوں۔ ایسی صورت میں قاضی ان شکایات کو دور کرنے کے احکام صادر کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام عدل میں اس عدالتی کارروائی کا مقصد فریقین میں سے کسی ایک کا جیتنا یا ہارنا نہیں ہے بلکہ معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے انہیں ان کے مقام پر رکھنا ہے۔ اگر قاضی عورت کی شکایات دور کر سکے اور عورت بھی اس پر راضی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک بستے ہوئے گھر کو لازماً اجاڑا جائے۔ لیکن تمام کوششوں' وعظ و نصیحت اور زوجین کی عائلی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ممکنہ ذرائع استعمال کرنے کے باوجود عورت خلع پر مصر ہو تو قاضی کا اختیار بس اسی حد تک ہے کہ مرد کو اس کا دیا ہوا مہر واپس دلا کر عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرا دے۔ اس سے زیادہ قاضی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

☆ اقرار: عاقل و بالغ کا غیر کا حق اپنے اوپر ثابت ہونے کی خبر دینا اقرار ہے ☆

خلع کے بعد

خلع ایک طلاق بائن کے برابر ہے جس میں مرد کو رجوع کا حق نہیں ملتا۔ چونکہ خلع عورت کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اس لئے مرد کی طرف سے رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا اسے طلاق بائن کے برابر تصور کیا جاتا ہے۔ عورت البتہ اسی مرد کے دوبارہ زندگی گزارنے پر آمادہ ہو تو مرد کی رضامندی سے نئے سرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

خیار بلوغ

اگر کسی لڑکی کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے ہو جائے لیکن بالغ ہونے پر وہ اپنے خاوند کو پسند نہ کرے تو وہ اپنے اختیار بلوغ کو استعمال کر کے نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔ اسے خیار بلوغ کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس کا ولی (والد یا دادا) بلوغت کی عمر (پندرہ سال) سے پہلے اس کا نکاح کر دے تو عمر کے پندرہ سال مکمل ہونے کے بعد لیکن اٹھارہ سال مکمل ہونے سے پہلے وہ اس امر کا اعلان کر سکتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کو پسند نہیں کرتی' لہٰذا اس کے ساتھ اپنے نکاح کو فسخ کرتی ہے۔ ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اگر خاوند اس کے اس اعلان سے متفق نہ ہو اور اسے اپنی بیوی بنائے رکھنے پر اصرار کرے تو اس لڑکی کو عدالت سے فسخ نکاح کی ڈگری بربنائے خیار بلوغ حاصل کرنا پڑے گی۔ خیار بلوغ کا حق استعمال کرنے کی لازمی شرائط یہ ہیں:

(الف) یہ حق پندرہ سال کی عمر سے پہلے استعمال نہیں ہو سکتا۔

(ب) اس حق کو عمر کے اٹھارہ سال مکمل ہونے کے بعد استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(ج) اگر اس لڑکی کا اپنے خاوند سے ازدواجی تعلق پیدا ہو چکا ہو تو وہ لڑکی خیار بلوغ کا حق استعمال نہیں کر سکتی' البتہ اس کے خاوند نے اس لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس سے ازدواجی تعلق پیدا کیا ہو تو خیار بلوغ کا حق ضائع نہیں ہوتا اور اسے کامیابی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فسخ نکاح بذریعہ خیار بلوغ پر نصف مہر کی ادائیگی لازم آتی ہے اور اس کی کوئی عدت نہیں ہوتی' البتہ اگر خاوند نے زبردستی اور بلا رضامندی بیوی سے ازدواجی تعلق پیدا کیا تو پورے مہر کی ادائیگی لازم آئے گی اور مقررہ مدت عدت گزارنی ہو گی۔

فسخ نکاح بذریعہ عدالت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صورتوں میں بیویوں کی شکایات پر بطور قاضی ان کے نکاحوں کو فسخ قرار دیا تھا۔ آپ کے اس عمل سے عدالتوں کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ موزوں صورتوں میں' جب میاں بیوی حدوداللہ کے مطابق ازدواجی حقوق ادا نہ کر سکیں تو' ان کے نکاح کو فسخ کر دیں۔ ایسی موزوں صورتیں حسب ذیل ہیں جو قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ء میں شامل ہیں۔

☆ بیع صرف: چاندی یا سونے کی بیع چاندی یا سونے کے بدلے میں ☆

۱۔ جب خاوند لاپتہ ہو اور چار سال سے اس کی کوئی خبر نہ ملی ہو۔
۲۔ جب خاوند نے دو سال تک بیوی کا نان نفقہ ادا نہ کیا ہو۔
۳۔ جب خاوند کو سات سال یا اس سے زائد عرصہ کے لئے سزائے قید ہو چکی ہو۔
۴۔ جب خاوند نے بغیر کسی معقول وجہ کے تین سال سے ازدواجی حقوق ادا نہ کئے ہوں۔
۵۔ جب خاوند شادی کے وقت نامرد ہو اور مسلسل ایسا ہی رہے۔
۶۔ جب خاوند دو سال سے پاگل ہو یا مرض کوڑھ میں مبتلا ہو یا کسی متعدی جنسی بیماری کا شکار ہو۔
۷۔ جب بیوی کا نکاح اس کے والد یا کسی دوسرے ولی نے پندرہ سال کی عمر ہونے سے پہلے کر دیا ہو اور اس نے اٹھارہ سال مکمل ہونے سے پہلے اس نکاح کو فسخ کر دیا ہو' بشرطیکہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ (اسے خیار بلوغ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے)
۸۔ جبکہ خاوند بیوی کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتا ہو۔ ظالمانہ سلوک میں عادتاً" مارپیٹ' ذہنی اذیت' بدنام عورتوں سے تعلقات' غیر اخلاقی زندگی بسر کرنے پر بیوی کو مجبور کرنا' بیوی کی جائیداد کو خرد برد کرنا' بیوی کو اس کے مذہبی طریقوں پر چلنے سے روکنا اور بیویوں میں عدل نہ کرنا شامل ہیں۔
۹۔ جب خاوند یا بیوی اپنا مذہب تبدیل کر لے اور دوسرا فریق ایسا نہ کرے۔
۱۰۔ کوئی اور صورت جو مسلمانوں کے نزدیک علیحدگی کا جواز بن سکے مثلاً علیحدگی بربنائے خلع (اس کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے)۔

مندرجہ بالا صورتوں میں خاوند طلاق نہ دے تو بیوی فسخ نکاح کے لئے عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عدالت سے ڈگری ہونے پر ان کا نکاح فسخ قرار پائے گا۔ عدالت سے ڈگری کی نقل لے کر یونین کونسل میں اس کا اندراج کرلیا جائے گا اور اس کے نوے دنوں کے بعد عورت اس نکاح سے آزاد ہو گی اور دوسری شادی کر سکتی ہے۔

رائج الوقت ملکی عائلی قانون پر ایک نظر

رائج الوقت ملکی عائلی قوانین میں سے سب سے اہم ۱۹۶۱ء کا مسلم فیملی لاز آرڈیننس ہے(۲۰)۔ جس نے پاکستانی معاشرت پر بہت گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ یہ قانون اپنی منظوری سے لے کر اب تک مذہبی اور دینی حلقوں میں ہدف تنقید رہا ہے۔ اس قانون میں اگر چند جزوی ترمیمات لائی جائیں تو یہ قانون تمام حلقوں کو مطمئن کر سکتا ہے۔ اس وقت قانون کا وہ حصہ پیش نظر ہے جس میں نکاح و طلاق کے بارے میں مواد ہے' وراثت سے متعلق توجہ طلب پہلوؤں پر نقد و جرح کا یہاں پر موقع نہیں ہے۔

آرڈیننس کی دفعہ ۲ میں سورہ نساء آیت ۳۵ کی روح سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو دونوں کی طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے جو میاں

بیوی میں موافقت کی کوئی صورت نکالیں۔ آرڈیننس کی اس دفعہ میں میاں بیوی کے درمیان مختلف تنازعات مثلاً طلاق کے بعد زمانہ عدت میں طلاق سے پیدا شدہ مسائل اور صلح کا مسئلہ حل کرنے یا بیوی کے نان نفقہ کی عدم ادائیگی کے تنازع کو طے کرنے کے لئے ایک مصالحتی کونسل قائم کر کے یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کونسل فریقین کے ایک ایک نمائندے اور ایک ایسے چیئرمین پر مشتمل ہے جو یونین کونسل کا چیئرمین ہو یا ایسا شخص ہو جسے مرکزی یا صوبائی حکومت یا ان حکومتوں کا کوئی افسر' چیئرمین کے اختیارات تفویض کرے۔ اسی دفعہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر فریقین میں سے کوئی متعین مدت کے اندر اپنے نمائندے نامزد نہ کرے تو ان کے بغیر ہی کونسل کی تشکیل ہو جائے گی۔

اس سلسلے کی اہم بات یہ ہے کہ مصالحتی کونسل کی تشکیل میں چیئرمین کا اضافہ قرآنی حکم پر اضافہ ہے اس لئے بہتر ہے کہ مصالحتی کونسل فریقین کے ایک ایک نمائندے پر مشتمل ہو جسے خود زوجین ہی مقرر کریں۔ رہا چیئرمین تو وہ کونسل کی ہیئت ترکیبی میں شامل نہ ہو بلکہ نگران کے فرائض اس طرح سرانجام دے کہ کونسل کے وظائف (Functions) میں مداخلت نہ ہو۔

آرڈیننس کی دفعہ ۵ میں ہر نکاح کو نکاح رجسٹرار کے پاس درج کرانا لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس دفعہ میں نکاح پڑھانے والے کی یہ بھی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ پڑھائے جانے والے نکاح کے کوائف سے نکاح رجسٹرار کو آگاہ کرے۔ خلاف ورزی کی صورت میں اسے سزا دی جا سکتی ہے۔

اگرچہ نکاح کے اندراج کو ضروری قرار دیا گیا ہے' تاہم شریعت اسلامیہ کی رو سے عدم اندراج سے نکاح باطل نہیں ہوتا' البتہ کسی تنازع کی صورت میں نکاح کے وقوع کے ثبوت کے لئے اہم ترین شہادت اندراج نکاح ہی ہو گی۔ لیکن دیگر شہادتوں کو بھی زیر غور لایا جا سکتا ہے۔

نکاح کے بارے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں فریقین کے ایجاب و قبول کے بعد خود بخود منعقد ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اولاد کا نسب اور جائداد میں وراثت ثابت ہو جاتی ہے۔ اسلامی عائلی نظام میں کسی ایسے خاص شخص کا کوئی تصور دور دور تک نہیں ملتا جو پیشہ کے طور پر نکاح پڑھاتا ہو۔ یہ کام تو زوجین کے عزیزوں' دوستوں میں سے شرع کا پابند کوئی بھی شخص کر سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے احوال پر نظر رکھے۔ کس نے نکاح کیا؟ کس خاندان میں تفریق ہوئی؟ کہاں بچہ پیدا ہوا؟ یہ کام کرنے کے لئے حکومت مختلف ذرائع اختیار کر سکتی ہے۔

یہ اسی قانون کا نتیجہ ہے کہ ایک عدالت عالیہ کو ایک موقع پر یہ کہنا پڑا کہ نکاح کو رجسٹر کرانا لازمی ہے ورنہ ایسا نکاح مشکوک ہے(۲۱) اور اسی قانون کے تحت ایک دوسری عدالت کو اس کے بالکل برعکس یہ رائے دینا پڑی کہ نکاح رجسٹر کرانا نہ شرعاً لازمی ہے اور نہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت ضروری ہے (۲۲)۔

آرڈیننس کی دفعہ ٦ میں کسی شخص کے دوسری شادی کرنے پر یہ قدغن لگا دی گئی ہے کہ اولاً وہ اپنی پہلی بیوی سے اجازت لے۔ پھر اجازت نامے کو مصالحتی کونسل میں پیش کر کے اس کی منظوری حاصل کرے' مصالحتی کونسل

☆ثمن: وہ مقدار جس پر عاقدین رضامند ہو جائیں خواہ وہ قیمت سے زائد ہو یا کم☆

منظوری دینے کے ساتھ مزید شرائط بھی عائد کر سکتی ہے۔ اس طریقہ سے ہٹ کر دوسری شادی کرنے پر ایک سال کی قید یا ایک ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

اس دفعہ میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ دوسری شادی پر سیدھی طرح پابندی عائد کرنے کی بجائے اسے پہلی بیوی کی اجازت سے مشروط کر کے خانگی جھگڑوں کا رخ عورت کی طرف کر دیا گیا ہے۔ اس کی بجائے اگر صرف سرکاری اجازت درکار ہوتی تو شائد عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار نہ ہوتی۔ کیونکہ سرکار کو آخر کیا پڑی ہے کہ وہ گھریلو جھگڑوں میں فریق بنتی پھرے؟ اس کے بجائے دوسری شادی کو عورت کی اجازت سے مشروط کر کے اسے ایک فریق بنا دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی عائلی عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار ہے۔ جن کی متحمل نہ عورت کی جسمانی ساخت ہو سکتی ہے اور نہ معاشرتی نظام عورت کو عدالتوں میں چکر لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ قانون کی یہ دفعہ بھی محل نظر ہے۔

یہ دفعہ دستور پاکستان کی روح سے متصادم ہے۔ جس کے مطابق پاکستان میں قرآن وسنت سے متصادم کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ دوسری شادی کرنا خالصتاً مرد کا اپنا حق ہے جو عورت کی اجازت سے مشروط نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ کوئی عورت اس بنا پر دادرسی کی یقیناً حق دار ہے جب اس کا خاوند دو بیویوں میں عدل نہ کرتا ہو۔ اس معاملہ میں عدل مرد کے ذمہ ہے اور کوتاہی کرنے پر عدالت اس کا مواخذہ کر سکتی ہے۔

اسی سے متصل اگلی دفعہ ۷ میں طلاق کے بارے میں یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ طلاق کی تحریری اطلاع چیئرمین کو دی جائے۔ تحریری اطلاع کے نوے دن تک طلاق واقع نہ ہو گی۔ اس کے بعد طلاق دینے کا ایک طویل طریقہ مذکور ہے۔ اس دفعہ کی خلاف ورزی پر بھی قید اور جرمانہ کی سزا ہے۔

اس دفعہ کے تحت عدت کے تعین میں قرآن کریم کے مقررہ عرصہ تعین کی خلاف ورزی ہوتی ہے' مثلاً حاملہ خاتون کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ وہ ایک دن ہی ہو جبکہ اس دفعہ کے تحت کم از کم مدت طلاق کا نوٹس چیئرمین یونین کونسل کو موصول ہونے کے بعد لازماً ۹۰ دن ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی رو سے عدت تین حیض یا طہر ہے جو عموماً ۹۰ دنوں پر محیط ہوتے ہیں۔ جبکہ اس دفعہ کے تحت عموماً سو دن لگ جاتے ہیں۔

اسلامی شریعت میں طلاق دینے کا طریقہ واضح ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اور یہ مرد کے پاس ہے۔ تمام اسلامی تعلیمات کے گہرے ترین مطالعہ سے بھی یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ طلاق کا حق ریاستی مداخلت کے ساتھ مشروط ہے۔ اس لئے یہ شق بھی دستور پاکستان کی روح سے متصادم ہے۔

اگلی دفعہ ۸ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر مرد عورت کو طلاق کا حق تفویض کرے تو عورت بھی علیحدگی اختیار کرتے وقت وہی طریقہ اختیار کرے گی جو دفعہ سات میں مرد کے لئے ہے۔ دفعہ ۹ میں یونین کونسل کے ذریعے بیوی کو نان نفقہ دلانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ دفعہ بھی دستور پاکستان سے متصادم ہے۔

آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۱۲ کے تحت سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح کرنا جرم مستلزم سزا ہے۔

☆ بیع بضربتہ القانص: شکار کا ایک یا دو مرتبہ جال پھینکنے کو فروخت کرنا۔ (ھدایہ)

یہ دفعہ وضع کرتے وقت معاملے کے سارے پہلو سامنے نہیں رکھے گئے' اس کی بجائے اگر یوں ہوتا کہ صغیرہ کا محض نکاح کیا جا سکتا ہے' رخصتی بلوغ کے بعد ہی ہو تو بھی اس دفعہ کا منشا پورا ہو سکتا تھا۔

مزید مطالعے کے لئے

اس باب میں اسلام کے عائلی نظام کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے ملک کے اصحاب بصیرت' خصوصاً نظام عدل سے متعلق افراد' اسلامی قانون سے متعارف ہو سکیں۔ اس مختصر مقالے میں اسلام کے عائلی قانون کے تمام گوشوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے تفصیل جاننے کے خواہش مند افراد مندرجہ ذیل کتب سے مزید استفادہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ احادیث کی تمام کتب میں کتاب النکاح اور طلاق کے بارے میں احادیث ملاحظہ کیجئے۔

۲۔ مجموعہ قوانین اسلام' ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن' مطبوعہ اسلام آباد۔

۳۔ حقوق الزوجین' سید ابوالاعلیٰ مودودی' مطبوعہ لاہور

۴۔ حجتہ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ کئی اصحاب نے کیا ہے)' شاہ ولی اللہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ مشکوۃ' کتاب الایمان' باب فی الوسوسہ

۲۔ سعدی ابوحبیب: القاموس الفقہی لغۃ" و اصطلاحا"' کراچی' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ' ص ۳۶۰

۳۔ الاصفہانی: "مفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن" المکتبۃ الرتضویہ' دیکھئے "ن ک ح"

۴۔ اس باب میں دی گئی فقہاء کی آراء بالعموم ابن رشد کی "بدایۃ المجتہد فی النہایۃ المقتصد" سے لی گئی ہیں۔ کہیں کہیں الجزیری کی "کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ" سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اس لئے آراء کے جملہ حوالہ جات ان دو کتب کے متعلقہ حصوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۵۔ ترمذی: ابواب النکاح

۶۔ نسائی: کتاب النکاح

۷۔ ابن ماجہ: کتاب النکاح

۸۔ ترمذی: ابواب النکاح

۹۔ بخاری: کتاب النکاح

۱۰۔ مسلم: کتاب النکاح

۱۱۔ نسائی: کتاب النکاح

۱۲۔ اصفہانی: حوالہ ایضاً' دیکھئے "ط ل ق"

☆ خیار عیب: خرید کردہ چیز کو کسی عیب نکلنے کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار رکھنا ☆

۱۳۔ سرخسی: کتاب المبسوط، مصر، مطبعہ السعادہ، ۱۳۲۴ھ، ج ۶، ص ۲

۱۴۔ تنزیل الرحمٰن: مجموعہ قوانین اسلام، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۴ء، ج ۲، ص ۳۵۷

۱۵۔ مشکوۃ

۱۶۔ بخاری: کتاب الطلاق

۱۷۔ ابن ماجہ: کتاب الطلاق

۱۸۔ سعدی ابو حبیب: حوالہ ایضاً، ص ۳۰

۱۹۔ بخاری: کتاب الطلاق، باب الخلع

20. Muslim Family Laws Ordinance (VIII of 1961) of July 15, 1961
21. PLD 1966 Dacca 47
22. PLD 1982 FSC 42

مصادر و مراجع

۱۔ ابن رشد: محمد بن احمد بن محمد بن احمد (۵۹۵ھ) "بدایۃ المجتہد فی نہایۃ المقتصد" لاہور، المکتبہ العلمیہ، ۱۹۸۴ء۔

۲۔ ابن ماجہ: محمد بن یزید (۲۷۵ھ) "السنن" استنبول، دار الدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔

۳۔ اصفہانی: ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی (۵۰۲ھ)، "المفردات فی غریب القرآن" ایران، المکتبہ المرتضویہ۔

۴۔ بخاری: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح" استنبول، دار الطباعۃ العامرہ۔

۵۔ ترمذی: محمد بن عیسیٰ بن سورہ (۲۷۹ھ) "الجامع" استنبول، دار الدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔

۶۔ تنزیل الرحمٰن: ڈاکٹر "مجموعہ قوانین اسلام" اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، جلد دوم، ۱۹۸۴ء

۷۔ جزیری: عبد الرحمٰن "کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ" بیروت، دار الفکر، جلد چہارم۔

۸۔ سرخسی: محمد بن احمد (۴۹۰ھ) "کتاب المبسوط" مصر، مطبعہ السعادۃ، ۱۳۲۴ھ، جلد ششم۔

۹۔ سعدی: ابو حبیب "القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحاً" کراچی، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔

۱۰۔ نسائی: احمد بن شعیب (۳۰۳ھ) "السنن" استنبول، دار الدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔

عمدہ لکھائی ○ بہترین چھپائی ○ دیدہ زیب اور مضبوط بائنڈنگ

مسودہ دیجئے ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ کتاب لیجئے

جمیل برادرز

(0332-2316945)